

صوفی کانفرنس (نئی دہلی) سے مولانا ثاقب شامی کا خصوصی خطاب

پیش اختر مصباحی

دائر القلم، ڈاکٹر نگر، نئی دہلی

ایک ”نئے خانہ“ ہے، مارہرہ شریف
ایک ”بادہ خوار“ ہے، احمد رضا
”مرکزیت“ ہے، بریلی کو نصیب
”نقطہ پرکار“ ہے، احمد رضا
”منازع عشق“ ملتی ہے یہاں
”مصطفیٰ بازار“ ہے، احمد رضا

”سوشل میڈیا“ کے ذریعہ، خبریں اور تبصرے، آن کی آن میں، دنیا کے گوشے گوشے میں بیٹھے ہوئے لاکھوں، کروڑوں انسان، پڑھ اور سُن لیتے ہیں۔ نوجوان نسل کی دل چسپی، اس سوشل میڈیا کے ساتھ، روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اور سوشل میڈیا ہی کے ساتھ، اُس کا اچھا خاصا وقت، گزرنے لگا ہے۔

اگر، صحیح نیت اور صحیح فکر کے ساتھ، کچھ دیکھا سنا جائے۔ کوئی اچھا خیال، سلیقہ کے ساتھ ظاہر کیا جائے اور کوئی صحیح رائے، دوسروں کے سامنے رکھی جائے۔ مثبت اور تعمیری ذہن کے ساتھ، اظہار خیال کیا جائے۔ اختلاف رائے میں وقار و متانت کو ملحوظ رکھا جائے۔ انصاف و دیانت کے ساتھ، کسی کی کوئی مناسب تنقید و احتساب ہو، اور اس تنقید و احتساب میں اس کی حیثیتِ عرفی کا لحاظ و احترام ہو، تو کیا ہی خوب و مرغوب ہے۔

مگر، اظہار خیال و اختلاف رائے اور تنقید و احتساب میں وقارِ علم کو مجروح و پامال کیا جائے۔ عقل کا صحیح استعمال، نہ کیا جائے۔ تہذیب و ثقافت کو شرمسار کیا جائے۔ دشنام طرازی و الزام تراشی کا سہارا لیا جائے۔ جہالت اور غیر ضروری جذباتیت کا مظاہرہ کیا جائے تو، یہ، نہایت ہی معیوب و مذموم طرز و طریقہ ہے۔

یاد رکھیے کہ: جب کوئی شخص، کسی گفتگو اور بحث و مباحثہ کے وقت، جذبات سے بے قابو ہو کر، دشنام طرازی و الزام تراشی کرنے لگے، بدزبانی و بدکلامی اور بدگوئی پر اُتر آئے تو اپنی اس

کیفیت اور اپنے اس طرزِ عمل سے، وہ، اس حقیقت کا اظہار و اعلان کر رہا ہے کہ:
رشتہ، علم و عقل اور دامنِ علم و عقل، اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔

حقائق و دلائل نے اس کا ساتھ، چھوڑ دیا ہے۔ جس کی تلافی، وہ، بدکلامی و بدگوئی اور دشنام طرازی و الزام تراشی کے ذریعہ، کرنا چاہ رہا ہے۔

اس طرح، اس کی اصل حیثیت، اس کا علمی و عقلی معیار، اس کی سطحیت و سوقیانہ پن، اور اس کی اخلاقی پستی و اُبتری، از خود، لوگوں پر، ظاہر و باہر ہو جاتی ہے۔

جس کے پاس مطلوبہ علم و مطالعہ، عقل و شعور، اور دلائل کی قلت، یا فقدان ہو، وہی کسی موضوع پر علمی بحث و مباحثہ اور اصولی گفتگو سے گریز کرتے ہوئے غیر متعلق اور غیر ضروری باتیں، چھیڑ کر، بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے اور ہفوات و ہذیانات کا سہارا لیتا ہے۔

یہ صورتِ حال، اس کی بے بسی و بے چارگی کی غماز ہے اور اس کی پسپائی اور شکست کا اعتراف ہی نہیں، بلکہ واضح اظہار و اعلان بھی ہے۔

دو تین سالوں سے سوشل میڈیا کے ذریعہ، بعض مذہبی مسائل اور مذہبی شخصیات کے سلسلے میں اظہار خیال و اختلاف رائے کرتے ہوئے جس جہالت و جذباتیت، بدگوئی و بدکلامی، اور دشنام طرازی و الزام تراشی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، وہ، افسوسناک ہی نہیں، بلکہ شرمناک بھی ہے۔

تازہ ترین نمونہ، یہ ہے کہ:

انٹرنیشنل صوفی سیمینار و کانفرنس، نئی دہلی (۱۷ تا ۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء) سے متعلق، چھڑنے والی بحث میں جانشین مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا، ازہری، بریلوی اور پروفیسر، طاہر القادری (منہاج القرآن، لاہور) کے خلاف، حد درجہ، نازیبا الفاظ کا تبادلہ، اس سوشل میڈیا پر ہوا۔ جس میں اخلاقی حد و کو نہایت بے دردی کے ساتھ، پامال کیا گیا۔

عمل اور ردِ عمل کا افسوسناک مظاہرہ، دونوں حضرات کے حامیوں اور مددِ احوں کی طرف سے بے دریغ ہوا۔

کچھ یہی حال، صوفی کانفرنس، نئی دہلی (۲۰ مارچ ۲۰۱۶ء) میں مولانا ثاقب شامی اور مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجا پوری کے ہونے والے خطابات سے متعلق، تند و تیز تاثرات اور تبصروں کا ہے۔ اور ایسا ہے کہ: **الْأَمَانُ وَالْحَفِیْظُ**۔

عالم کو اپنے وقارِ علم کا خیال اور کسی باعزت آدمی کو اپنی عزت و آبرو کا پاس و لحاظ، ضرور رکھنا

چاہیے۔ اور اگر، ایسا نہیں ہے تو پھر وہ، کیسا عالم اور کیسا باعزت آدمی؟
یہی بات، طلبہ اور نوجوانوں کے سلسلے میں بھی کہی جائے گی کہ:

آدمی را آدمیت، لازم ست
عُود را خوشبو نباشد، ہیوم ست

مولانا ثاقب شامی اور مولانا سید تنویر ہاشمی سے میرا کوئی رابطہ و تعلق نہیں۔ نہ ہی ان میں سے کسی کے بارے میں مجھے کچھ معلوم ہے۔

البتہ ابھی چند روز پیشتر، ایک ثقہ آدمی نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ، مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری کے بارے میں مجھے بتایا کہ:

جلیلُ القدر صحابی رسول، حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری کے دل میں کچھ غبار اور سُخار ہے۔ اور اسی سلسلے میں جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن (آندھرا پردیش) سے بھی ان کا اختلاف ہے۔

مولانا ثاقب اقبال شامی کے بارے میں میری معلومات کا، گُل خزانہ، وہ، ہے جو صوفی کانفرنس کے حامی ایک ہفت روزہ ”خطیب دکن“ حیدرآباد، دکن (مؤرخہ ۱۸/۲۴ مارچ ۲۰۱۶ء) کے آخری صفحہ کی نمایاں سُرخِی (ورلڈ صوفی فورم کے تمام مہمان، صفِ اول کی سرکردہ شخصیات) کے ساتھ، چار شخصیات کا مختصر تعارف مع تصاویر، شائع ہوا ہے۔

ان چار سرکردہ شخصیات میں ایک نام ہے: ”محمد ثاقب بن اقبال، شامی۔ بانی کنز الُھدی آرگنائزیشن، برطانیہ“۔ اور آپ کا تعارف، اس طرح کرایا گیا ہے:

”مولانا محمد ثاقب بن اقبال شامی:

کنز الُھدی آرگنائزیشن کے بیئر سے یورپ میں اسلام کی مثالی خدمات، انجام دے رہے ہیں۔ اپنے منفرد اسلوبِ خطاب اور دل نشیں اندازِ بیان کی وجہ سے نوجوان طبقہ میں بے انتہا معروف ہیں۔

Q.Tv کے ذریعہ، شیخ اقبال شامی نے اپنے علم و فضل کے متاثر گن نقوش، چھوڑے ہیں۔ دنیا بھر میں تصوف کی تعلیمات کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ جدید دور کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اپنے تہیہی لکچر میں سامع کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اعلیٰ عصری تعلیم کے ساتھ، دینی تعلیم سے بھی فارغ التحصیل ہیں۔

انھوں نے Stafford Shire University، لندن (برطانیہ) کے علاوہ، جامعۃ الفرقان، راولپنڈی (پنجاب، پاکستان) سے اکتسابِ علم کیا ہے۔

دنیا بھر کے اہل علم سے، رابطہ ہے۔“

(ص ۱۶ ہفت روزہ ”خطیب دکن“ حیدرآباد، دکن (آندھرا پردیش۔ انڈیا۔ مؤرخہ ۱۸/۲۴ مارچ ۲۰۱۶ء)

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس، نئی دہلی (بتاریخ ۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء۔ بمقام رام لیلما میدان) میں مولانا ثاقب شامی کے ہونے والے، خطاب کا ایک خاص حصہ، ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

..... ”اگر، ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے دہشت گردوں کے خلاف، فتویٰ دیا ہے تو ہم، اس فتوے پر عمل کریں، دل کی گہرائیوں سے عمل کریں۔

فقط، اس کانفرنس میں آکر، یہ، نہ کہیں کہ: ہم، دہشت گردوں کے خلاف ہیں۔“

یہ بھی کہیں کہ: ہم، ان دہشت گردوں کی اقتدا میں نماز کو، جائز نہیں سمجھتے۔“

یہ کہیں کہ: فقط، دہشت گردوں کے خلاف نہیں۔

وہ، دہشت گرد، اگر، مکہ کی مسجد کا امام ہے۔ دہلی کی مسجد کا امام ہے۔ مدینہ کی مسجد کا امام ہے۔ وہ، دہشت گرد، اگر، گستاخ رسول ہے تو اس کی اقتدا میں ہم، نماز، ادا نہیں کرتے۔

یہی ہمارے اکابر کا نظریہ ہے۔

آج، مجھ سے میڈیا والوں نے پوچھا:

ہر بندہ، غوثِ اعظم کا نام لیتا ہے۔ ہر بندہ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا نام لیتا ہے۔

ہم، دہشت گردوں سے پوچھتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں: ہم، ان سب کا احترام کرتے ہیں۔

میں نے سوچا اور غور کیا کہ: دیکھو!

کوئی ایسا فرد ہو، جس سے دہشت گرد، نفرت کرتے ہوں۔

جس کا نام، خطِ امتیاز ہو۔ واضح کر دے کہ:

باطل عقیدے والا کون ہے؟ امن کا پرچار کرنے والا کون ہے؟

ربِّ کعبہ کی قسم! مجھے، دورِ حاضر میں شیخ یوسف نبہانی کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد،

اور اپنے اکابرینِ ہندوستان و پاکستان کے نظریات کو پڑھنے کے بعد، یہ بات:

روز روشن کی طرح، واضح ہوگئی کہ:

وہ، ایک ہی مرد قلندر ہے، وہ، ایک ہی مرد مجاہد ہے کہ:

جس کا نام، اگر، دہشت گرد کے سامنے لے لو، اُس کے چہرے کا رنگ، زرد پڑ جائے گا۔

وہ، کون ہے؟ وہ، بریلی کا قلندر ہے۔ وہ، بریلی کا مجاہد ہے۔

وہ، امام احمد رضا خاں ہے۔ جس کے متعلق، میرے اکابر نے کہا:

شرک تھا جب ناز کرنا، احمد مختار پر نکتہ چیں تھے لوگ، علم سید ابرار پر کفر پر، اک دن، مشیت کو جلال آ ہی گیا میرے آقا کی محبت کا سوال، آ ہی گیا صورتیں، تسکین کی، نکلیں دل سیماب سے اک کرن، پھوٹی اچانک، چرخ پر، مہتاب سے اُس کرن کو اہل دل، احمد رضا کہنے لگے

☆☆☆

جس احمد رضا نے ہمیں، اجیر کا پیار دیا۔ جس احمد رضا نے ہمیں، اجیری بنایا۔ جس

احمد رضا نے ہمیں، خواجہ غریب نواز کی محبت دی۔

اے امام قوم! امت کے نگہباں! زندہ باد

اے امام قوم! صوفی کے نگہباں! زندہ باد

زندہ باد! اے صوفی احمد رضا خاں! زندہ باد

☆☆☆

مولانا ثاقب اقبال شامی کی تقریر، ختم ہوتے ہی، مولانا سید تنویر ہاشمی بیجاپوری (صوبہ

کرناٹک، انڈیا) نے بلا تاخیر، اپنا خطاب شروع کر دیا۔ جس کا ایک خاص حصہ، درج ذیل ہے:

”ہم، آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ:

ہمیں، اہل سنت کا سرٹیفکٹ لینے کی:

یا۔ اہل سنت کی سند لینے کی، کسی سے ضرورت نہیں ہے۔

آپ، ہمیں کلمہ پڑھانے کی کوشش، نہ کریں۔

ہمارے بابا، داداؤں نے، آپ کے بابا داداؤں کو، کلمہ پڑھایا ہے۔

کسی مولوی، یا۔ کسی عالم کی سند، یا۔ فتوے کے محتاج، نہیں ہیں۔“

خدا کی قسم! درود و سلام، حضور کے گھرانے پر بھیجا جاتا ہے۔ کسی اور کے گھرانے پر نہیں۔“

مذکورہ دونوں خطبائے نے جو کچھ مذکورہ خطاب میں کہا، اُس کا جائزہ لیجیے تو حسب ذیل خلاصہ، اُبھر کر سامنے آئے گا۔

مولانا ثاقب اقبال شامی کی مذکورہ تقریر کے بنیادی نکات، درج ذیل ہیں:

(۱) دہشت گردوں کی صرف دہشت گردی نہیں، بلکہ ان کی امامت کے خلاف بھی فتویٰ

جاری کیا جائے کہ:

گستاخ رسول دہشت گرد، کسی بھی مسجد کا امام ہو، مکہ اور مدینہ کی مسجد کا بھی امام ہو، تو اس کے پیچھے، نماز پڑھنا، جائز نہیں۔

بالخصوص، پروفیسر، طاہر القادری صاحب، یہ فتویٰ بھی صادر فرمائیں کہ:

گستاخ رسول دہشت گردوں کی اقتدا میں نماز جائز نہیں۔ کیوں کہ:

گستاخان رسول کے بارے میں ہمارے اکابر کا یہی فتویٰ اور یہی نظریہ ہے۔

(۲) امام احمد رضا نے ہمیں، بزرگوں کی بارگاہ کا ادب شناس بنایا۔ غوث اعظم، سید

عبدالقادر جیلانی بغدادی کی عقیدتوں کے چراغ، ہمارے دلوں میں روشن کیے اور ہمیں قادری بنایا۔

عطاے رسول، سلطان الہند، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اجیری کی محبت و عقیدت،

ہمارے دل میں فزوں تر، کی۔ آپ کے شہر مقدس ”اجیر شریف“ کا در یوزہ گر بنا کر،

ہمیں اجیری بنایا۔

اور دیگر اکابر صوفیہ و مشائخ کرام کا ہمیں عقیدت مند بنایا، بزرگوں کی چوکھٹ سے

ہمیں وابستہ کیا۔ ان کی غلامی کو ہمارے لئے باعث افتخار بنایا۔

(۳) بد مذہب دہشت گرد، اتنے شاطر و عیار ہیں کہ:

جب، ان کے سامنے، اکابر اُمت، جلیل القدر صوفیہ و مشائخ کرام کا نام لیا جائے:

تو وہ، کہہ دیتے ہیں کہ:

ہم، ان سب کا احترام کرتے ہیں۔ یہ تو ہمارے بھی بزرگ ہیں۔“

ربّ کعبہ کی قسم! چودھویں صدی کے علمائے عرب میں، عاشق رسول، عارف باللہ،

حضرت شیخ یوسف بن اسمعیل، نبہانی (بیروت، لبنان۔ وصال ۱۳۵۰ھ) کی ذات گرامی،

ایسی ہے کہ جن کی تعلیمات و نظریات، سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے عین مطابق ہیں۔

آپ کی ذات، محبوب و مقبول بارگاہِ خدا و رسول ہونے کے ساتھ، ہمارے لئے معیارِ حق بھی ہے۔ سرزمینِ عرب کے، بد نصیب، بد مذہب، آپ کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات و نظریات اور امام احمد رضا کی تعلیمات و نظریات، میں مکمل، ہم آہنگی ہے۔ چودہویں صدی ہجری کے مشاہیرِ علمائے ہند میں امام احمد رضا کا ایک ایسا نام ہے جسے بد مذہب و ہشت گرد، سنا بھی پسند نہیں کرتے۔

امام احمد رضا کا نام، سنتے ہی بد مذہبوں کا چہرے کا رنگ، زرد پڑ جاتا ہے۔“
مولانا ثاقب اقبال شامی کے مذکورہ بالا خیالات میں شخصیات کا کوئی مقابلہ و موازنہ ہرگز نہیں۔ یہ حضرات تو آپ کے آقا یا نعمت ہیں اور آپ ان کے نیاز مند و عقیدت کیش۔ یہاں تو صرف، یہ بتانا مقصود ہے کہ:

ہندو پاک کے بد مذہبوں کے سامنے، کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا نام لیجیے۔ تو: وہ آسانی کے ساتھ، کہہ دیتے ہیں کہ:

انھیں تو ہم بھی مانتے ہیں۔ ہم بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔

لیکن ”امام احمد رضا“ کا نام سنتے ہی اُن کے چہرے کا رنگ، بدل جاتا ہے۔ کیوں کہ: وہابیت و بد مذہبی کے خلاف، زندگی بھر، آپ کا قلم چلتا رہا۔ اور ان کے قلع قمع میں آپ کا نمایاں ترین کردار ہے۔

مولانا ثاقب شامی کا یہ بیان، بالکل صحیح اور عین مطابق واقعہ ہے۔ اور ان کا، یہ کوئی نیا خیال اور نئی بات نہیں۔ بلکہ ایک صدی پرانی بات ہے۔

اہل سنت و جماعت کے ایک جلیل القدر عالم، حضرت مولانا قادر بخش، سہرامی (وصال رجب ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) نے آج سے ایک صدی قبل، یہی ارشاد فرمایا ہے۔

دیگر بے شمار علمائے اہل سنت بھی اپنا یہی خیال، ظاہر کرتے۔ بلکہ، اپنا یہی تجربہ بتاتے ہیں۔ حضرت مولانا ظفر الدین، قادری رضوی، عظیم آبادی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا مولوی قادر بخش صاحب سہرامی، ایک بہت بڑے مشہور عالم، اور زبردست واعظ تھے۔

ایک مرتبہ، یہ سلسلہ وعظ، موضعِ رجعت، ضلع گیا (صوبہ بہار) تشریف لے گئے۔

یہ بستی، ساداتِ کرام کی ہے۔ اس بستی کے لوگ، سجادہ نشینانِ سہرام (صوبہ بہار) کے رشتہ دار ہیں۔ ان کی شادیاں، اس وقت تک، رجعت اور پچر وکھی وغیرہ میں ہوا کرتی ہیں۔

رجعت ہی کے رہنے والے، میرے دوست، مولانا سید شاہ غیاث الدین صاحب، چشتی، نظامی، فخری، رجعتی، بہاری۔ اور پچر وکھی کے رہنے والے، میرے مخلص محترم، مولانا مولوی، سید احمد عالم صاحب، قادری برکاتی، رضوی، صدر مدرس، مدرسہ سہرام پور، شیرگھاٹی ہیں۔

یہاں کے باشندے، پہلے، سب کے سب، خفی تھے۔

تھوڑے دنوں سے کچھ وہابیت کا اثر ہو گیا ہے۔ اور کچھ لوگ، غیر مقلد ہو گئے ہیں۔

ان لوگوں کی برادری کی وجہ سے، سجادہ نشین صاحب سہرام کے یہاں، آمد و رفت ہے۔ مگر، اختلافِ مذہب کی وجہ سے مسجد میں اعلانِ مذہب، ممنوع تھے۔

تاکہ اختلاف و انتشار، نہ پیدا ہو۔

وہ لوگ، جب آتے، کمرے ہی پر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ، رجعت کے سنیوں نے مولانا مولوی قادر بخش صاحب، سہرامی کو، وعظ کے لئے رجعت (ضلع گیا۔ صوبہ بہار) بلایا۔

وعظ کے بعد، کھانا، کھانے کے لئے بیٹھے تو کسی نے پوچھا:

مولانا! سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟

ایسی بات بتائیے، جس کو ہم لوگ بھی سمجھ سکیں۔ اور اس کے ذریعہ، سنی وہابی کو پہچان سکیں۔ کوئی، بڑی علمی بات، نہ ہو۔

انھوں نے فرمایا: ایسا آسان، عمدہ اور کھرا قاعدہ، آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ: اس سے اچھا ملنا، مشکل ہے۔

آپ، جب کسی کے بارے میں مُشتبہ ہوں کہ: سنی ہے یا وہابی بد مذہب؟ تو اُس کے سامنے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا تذکرہ، چھیڑ دیجیے۔

اور اس کے چہرہ کو بغور، دیکھیے۔

اگر، چہرہ پر، بشارت اور خوشی کے آثار دیکھیے تو یقین جانے کہ: سنی ہے۔

اور اگر، چہرہ پر، پڑمردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھیے کہ: وہابی ہے۔

اور اگر، وہابی نہیں، جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی، ضرور ہے۔

اس زمانے میں، لَا يُجِبُهُ إِلَّا الْمُؤْمِنُ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ۔ یہ ضمیریں:

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی طرف، پھرتی ہیں۔

اس لئے جتنے، اہل سنت ہیں، سب، اعلیٰ حضرت کے مداح، بلکہ عاشق صادق اور محب مخلص ہیں۔

ان مخلصوں میں بالخصوص، یہ چند حضرات، خاص طور پر، قابل ذکر ہیں:

(۱) حضرت سیدنا، سید شاہ ابوالحسن احمد نوری میاں صاحب، مارہروی۔

(۲) حضرت سیدنا، سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن میاں صاحب، مارہروی۔

(۳) حضرت تاج الفحول، محب الرسول، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، بدایونی۔

(۴) حضرت ابوالدکاء، سرانج الدین، شاہ سلامت اللہ صاحب، رام پوری۔

(۵) حضرت استاذ زمان، مولانا شاہ احمد حسن صاحب، کان پوری۔

(۶) حضرت صوفی باصفا، مولانا شاہ محمد حسین صاحب، الہ آبادی۔

(۷) حضرت مولانا شاہ محمد شفیع صاحب، ناصر، رام پوری، سہارن پوری۔

(۸) حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب، محدث سورتی۔

(۹) حضرت مولانا سید شاہ، دیدار علی صاحب، آلوری۔

(۱۰) جناب، مولانا قاضی عبدالوہید صاحب، عظیم آبادی۔

(۱۱) جناب، حاجی محمد لعل خاں صاحب، مدراسی۔

(۱۲) جناب، مولانا مولوی محمد رحیم بخش، آروی، بانی مدرجہ فیض الغر، آرہ۔ وغیرہ۔

(ص ۱۳۲ و ۱۳۳۔ حیات اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

چودھویں صدی ہجری میں بین الاقوامی سطح پر، دعوت و تبلیغ اسلام کا فریضہ، انجام دینے والی

سب سے عظیم، آفاقی شخصیت، مبلغ اسلام، حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم، صدیقی، میرٹھی

(وصال ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء۔ مدفون، جنت البقیع، مدینہ منورہ) کا:

بارگاہ امام احمد رضا میں اصحاب شریعت و طریقت کی طرف سے، یہ منظوم خراج تحسین،

بڑا ہی روح پرور اور ایمان افروز ہے:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں، اُس سے سوا، تم ہو

قسیم جامِ عرفاں، اے شہ احمد رضا، تم ہو

غریق بحرِ اُلفت، مسّتِ جامِ بادۂ وحدت

حُب خاص محبوب حبیبِ کبریا، تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا، مدارِ اہل طریقت کا

جو محور ہے حقیقت کا، وہ قطب الاولیا، تم ہو

یہاں آکر، ملیں نہریں، شریعت اور طریقت کی

ہے سینہ، مجمع البحرین، ایسے رہنما، تم ہو

عرب میں جا کے، ان آنکھوں نے دیکھا، جس کی صولت کو

عجم کے واسطے، لاریب! وہ قبلہ نما، تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق، اکنافِ عالم میں

امام اہل سنت، نائبِ غوثِ انوری، تم ہو

علیمِ خستہ، ایک ادنیٰ گدا ہے، آستانے کا

کرم فرمانے والے، حال پر، اس کے، شہا، تم ہو

☆☆☆

خصوصی خطاب کا ویڈیو، دیکھ سُن کر، واضح طور سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:

مولانا ثاقب اقبال شامی کا خطاب، بیشتر اسٹیج نشین حضرات نے بڑے اضطراب کے

ساتھ، بادلِ ناخواستہ سنا اور، یہ خطاب، ختم ہوتے ہی مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجا پوری (صوبہ کرناٹک،

انڈیا) نے مانگ سنبھالا اور اس طرح بولنے لگے جیسے وہ، کسی وجہ سے بہت پہلے ہی:

غصہ میں بھرے اور بخار میں پتے ہوئے ہیں۔

گذشتہ صفحات میں نقل کیے گئے ان کے خطاب کے خاص نکات، یہ ہیں۔

(۱) اپنے سنی ہونے کی، ہمیں، کسی عالم سے کوئی سند، لینے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ہمارے باپ داداؤں نے، آپ کے باپ داداؤں کو کلمہ پڑھایا ہے۔

(۳) درود و سلام، ہمارے (سادات) گھرانے پر بھیجا جاتا ہے۔

کسی اور کے گھرانے پر نہیں بھیجا جاتا ہے۔

مذکورہ تینوں باتوں میں سے کوئی بات، کہنے کی، یہاں قطعاً، کوئی ضرورت نہیں تھی۔

مولانا سید تنویر ہاشمی صاحب، زیادہ سے زیادہ، اپنے اس خیال کا اظہار کر سکتے تھے کہ:

”اس اسٹیج سے پروفیسر طاہر القادری صاحب سے اپنے کسی اختلاف کا اظہار، انہیں نہیں کرنا چاہیے تھا، نہ ہی ان سے کوئی سوال، کرنا چاہیے تھا۔“
(اور یہ بھی محض، اس وجہ سے کہ اس اسٹیج پر تشریف فرما، اچھے خاصے حضرات، وہ، ہیں جو پروفیسر طاہر القادری کے حامی ہیں۔ یا۔ ان کے بارے میں کچھ زیادہ ہی، نرم گوشہ رکھتے ہیں)
مولانا سید تنویر ہاشمی نے جس کلمہ خوانی کا ذکر کیا ہے، اُس کے بارے میں:
صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ:

جب بھی، جس نے، جس کسی کو، کلمہ پڑھایا اور جس نے کلمہ پڑھا، اُن دونوں پر، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے شمار، رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہو۔ جنت الفردوس میں، ان کے درجات، بلند ہوں۔ اور ان کی نسل و ذُرِّیَّت کو، اپنے بزرگ اسلافِ کرام کے نقشِ قدم پر چلتے رہنے کی توفیق و سعادت، حاصل ہو۔ آمین! بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ الصَّلَاةُ وَ التَّسْلِيم۔

کسی سنی کو، نہ اس کی کوئی ضرورت ہے کہ:

وہ، کسی سنی عالم سے اپنے سنی ہونے کی سند لے، نہ ہی کسی کو اُسے سند دینے کی ضرورت ہے۔ ہاں! فارغ التحصیل سنی عالم ہونے کے لئے ضرور، اس کی ضرورت ہے کہ، وہ:
کسی معتمد و مستند سنی عالم سے سند، حاصل کرے۔ اور وہ، سنی عالم، اُسے سندِ عالمیت و فضیلت، عطا فرمائے۔ علما کے درمیان، صدیوں سے یہی معمول، چلا آ رہا ہے۔ فَافْهَمْ وَ تَدَبَّر۔
مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری، نہ جانے کس جوش و جذبہ میں درود و سلام کے بارے میں وہ، بات کہہ گئے، جسے ادنیٰ درجہ کا بھی کوئی مولوی نہیں کہہ سکتا۔
اور کسی سید کی زبان سے تو یہ دعویٰ، کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری کو اپنی دینی معلومات کا قبلہ، درست رکھنا چاہیے۔ اور فوری طور پر، اپنے خیال کی اصلاح کی طرف، توجہ دینی چاہیے کہ:
درود و سلام کے صیغے اور کلمات، مسنون و ماثور ہونے کے ساتھ، علما و صلحا و بزرگانِ دین نے اپنے طور پر بھی بیان کیے اور تحریر فرمائے ہیں۔

مولانا تنویر ہاشمی نے منقول و متواتر درود و سلام میں جا بجا پڑھا ہوگا کہ:
وَعَلَىٰ آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ وَ حَزْبِهِ۔ اور اس کے ساتھ، یہ بھی پڑھا ہوگا کہ:

وَمَنْ اتَّبَعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ۔

اہل بیت اظہار ہوں کہ صحابہ کرام۔ تابعین ہوں کہ تبع تابعین۔ ائمہ مجتہدین ہوں کہ فقہائے اسلام۔ محدثین ہوں کہ مفسرین۔ علما ہوں کہ مشائخ و صوفیہ۔ یہاں تک کہ عالمہ مسلمین۔ ان سب پر، بالذات، درود و سلام بھیجا جاتا رہا ہے اور بھیجا جاتا رہے گا۔

میرے استاذ، ماں باپ، بھائی بہن
اہل و ولد و عشیرت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجاپوری، اُس ”علما و مشائخ بورڈ“ کے ایک مرکزی قائد ہیں، جس کا تعارف ہی اس نعرے کے ساتھ، ہوا ہے کہ: ہمیں، وہابیوں کی امامت، قبول ہے نہ قیادت۔

ایسی صورت میں، انہیں پوری صراحت کے ساتھ، یہ اعلان کرنا چاہیے تھا کہ:

ہم، نماز میں وہابیوں کی اقتدا کو، ناجائز سمجھتے ہیں۔

ساتھ ہی صوفی کانفرنس کے مہمانِ خصوصی، پروفیسر، طاہر القادری سے، انہیں اس کی گزارش، ضرور کرنی چاہیے تھی کہ:

پروفیسر، طاہر القادری صاحب اپنی تقریر میں وہابیوں کی امامت کے بارے میں اپنا موقف، واضح کر دیں۔ (کیوں کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہابیوں، بد مذہبوں کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔)

اور خود، پروفیسر، طاہر القادری صاحب کو چاہیے تھا کہ:

وہ، صاف لفظوں میں وہابیوں، بد مذہبوں کی امامت کے عدم جواز کا اعلان کر دیں۔

مگر، افسوس کہ ایسا، کچھ، نہ ہو سکا۔

اور پروفیسر، طاہر القادری صاحب نے اپنی اس ذمہ داری کو نظر انداز کرتے ہوئے، اس مسئلہ میں مکمل خاموشی، اختیار کی۔ جس کا واضح و صریح مطلب ہے کہ:

دال میں کچھ، کالا ہے۔ بلکہ، پوری دال ہی کالی ہے۔

یہ مسئلہ امامت، کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ:

یہ بہانہ کر کے دامن چھڑالیا جائے کہ:

اس مسئلہ میں علمائے اہل سنت کا اختلاف ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں۔

بعض، وہ کہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

سمجھنے والے، اچھی طرح سمجھ رہے ہیں کہ:

مولانا ثاقب شامی کے بعد ہی مولانا سید تنویر ہاشمی کے بلا تاخیر خطاب کی بڑی وجہ، یہ ہے کہ:

انھوں نے: بریلی کے مرد قلندر کا ذکر، کیوں چھیڑ دیا؟

مولانا احمد رضا بریلوی، عالم مفتی ہیں مگر صوفی کہاں ہیں اور تصوف سے ان کا کیا واسطہ؟

غوث اعظم، سیدنا عبدالقادر جیلانی، بغدادی اور خواجہ اعظم، سیدنا معین الدین چشتی،

اجمیری رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ کا نام لیا تو اچھا کیا مگر ”احمد رضا“ کا نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

جوابی خطاب میں درحقیقت، اپنے دل کا غبار اور بخار نکالا گیا ہے۔

اور اسٹین نشین حضرات، جس پُر جوش اور والہانہ انداز میں سُبْحَنَ اللہ اور واہ کی صدائیں

بلند کر رہے تھے اور ساتھ ہی کچھ تالیاں بھی بج رہی تھیں، ان سب حرکات و سکنات سے:

ہر صاحب علم اور ہر صاحب عقل و شعور، اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ:

اسٹین نشین حضرات کی اچھی خاصی تعداد، بخار زدہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللہ مِنْہُ۔

جب، ایک شہ روایت کے مطابق، مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجا پوری کے دل میں،

جلیل القدر صحابی رسول، حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہ عَنْہُ کی طرف سے کچھ غبار اور بخار ہے۔

مَعَاذَ اللہ رَبِّ الْعَالَمِینَ۔

تو، ایسی صورت میں اگر، ان کے دل میں، مولانا احمد رضا بریلوی کی طرف سے کچھ

غبار اور بخار ہو تو کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

بلکہ، بڑی آسانی کے ساتھ، سمجھ میں آ جانے والی بات ہے۔

اور، یہ بھی کوئی تعجب خیز انکشاف نہیں کہ:

”علماء و مشائخ بورڈ“ کے نہایت اہم ذمہ دار اور مرکزی عہدہ دار ہیں: مولانا سید تنویر ہاشمی۔

جن کے بارے میں، ابھی ۳۱ اپریل، بروز اتوار، حافظ قمر الدین، رضوی (رضوی کتاب گھر، ٹیما محل

، دہلی) نے دائر القلم (ذاکرنگر، نئی دہلی) میں مجھ سے بیان کیا کہ:

مولانا سید تنویر ہاشمی، بیجا پوری، صوفی سیمینار و کانفرنس، نئی دہلی (منعقدہ ۱۷ تا ۲۰ مارچ

۲۰۱۶ء) سے ایک روز پہلے، رضوی کتاب گھر (ٹیما محل، دہلی) کے آفس میں تشریف لائے

اور دوران گفتگو، انھوں نے فرمایا کہ:

بچپن سے کانگریس کو دیکھ رہے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کیا۔

اب، سوچا اور پروگرام بنایا گیا ہے کہ بھاجپا کو بھی آزما کر، دیکھ لیا جائے۔“

ایک تعجب خیز اور حیرت انگیز بات، یہ بھی ہے کہ:

وِگیان بھون، نئی دہلی کے صوفی سیمینار (۱۷/ مارچ ۲۰۱۶ء) میں کچھ مدعو سامعین

وحاضرین نے ”بھارت ماتا کی ہے“ کا شرک آمیز نعرہ، کیوں اور کیسے لگایا؟

جب کہ دہلی کی مسلم تنظیموں کی طرف سے ہر سال، بہت سے سیمینار اور بہت سی کانفرنسیں،

مختلف ہالوں میں ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں آج تک، کبھی ایسا کوئی نعرہ نہیں لگا۔

اور اگر، کچھ لوگوں نے ”بھارت ماتا کی ہے“ کا نعرہ لگا ہی دیا تو اسٹین نشین علماء و مشائخ نے

مدہانت آمیز مصلحت کے ساتھ، مکمل سکوت اور خاموشی کا مظاہرہ کیوں کیا؟

جب کہ اس شرک آمیز نعرہ کے سلسلے میں مصلحت شرعی کا شدید اور لازمی تقاضا تھا کہ:

بلا تاخیر، کوئی بھی ذمہ دار شخص، مسلمانوں کے شرعی موقف کا اظہار و اعلان کر دے۔

ہاں! وطن دوستی کے جذبے سے ”ہندوستان! زندہ باد“ کا نعرہ بھی لگایا جاسکتا تھا۔

ایسا کچھ، نہ ہونے ہی کا فوری اثر، یہ ہوا کہ:

بھارت ماتا کی ہے کا نعرہ لگنے کے ساتھ ہی، ٹی وی چینل، یہ سنسنی خیز خبر، نشر کرنے لگے کہ:

صوفی سیمینار، بھارت ماتا کی ہے کے ساتھ، شروع ہو گیا۔“

بھارت ماتا کی ہے کا نعرہ سے گونج اٹھا وِگیان بھون۔“ وغیرہ وغیرہ

اس خبر سے کروڑوں مسلمانوں کے درمیان، اضطراب و بے چینی کی لہر، دوڑ گئی اور علماء

و مشائخ کے تعلق سے، بہت سے مسلمان، بدگمانی میں مبتلا ہوئے۔ جس کے بعد، طرح طرح کی

چمی گونیاں ہونے لگیں۔

سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ توحید سے جڑے ہوئے اس ”شرک آمیز“ نعرہ اور حساس مسئلہ

پر، ایسی مدہانت آمیز خاموشی، ناقابل فہم ہے۔

دوسری طرف، صوفی کانفرنس (۲۰ مارچ۔ رام لیلا میدان) میں اتنی تیزی اور اتنا جلال کہ

مولانا ثاقب شامی کے اظہارِ کلمہ حق کے فوراً بعد، جوابی خطاب، ضروری سمجھا گیا۔

ریٹر ز فکر و عمل، کس ذہنیت اور کس سیاست کی غمازی کر رہا ہے؟

آپ ہی اپنے ذرا فکر و عمل کو دیکھیں

ہم، اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

صوفی سیمینار میں لگنے والے نعرے کے سلسلے میں شرعی ذمہ داری:

کسی دنیاوی اور سیاسی مصلحت اور شری زبیر مودی کے خوف سے، ادا نہ کی جاسکی

تو صوفی کانفرنس میں اپنے شرعی موقف کی وضاحت سے، ایسی کیا معذوری و مجبوری تھی؟

کیا بنے بات، جہاں بات بنائے، نہ بنے

اور آج کل تو پورے ملک کا ماحول، اتنا گرم ہو چکا ہے کہ:

دہلی کے ایک پارک میں کھیلتے ہوئے چند مسلم طلبہ کو بعض شرپسند و فسادی ہندو نوجوانوں

نے ”بھارت ماتا کی جے“ کا نعرہ لگانے کو کہا اور ان کے انکار پر، انھیں زد و کوب کیا گیا۔

یہاں تک کہ ایک طالب علم کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اُن طلبہ کی ٹوپوں کو پاؤں سے

روندا گیا۔

ضلع ٹوساری (گجرات) میں ایک کرکٹ میچ کے دوران، مسلمانوں کو ”وندے ماترم“

اور ”بھارت ماتا کی جے“ کہنے پر مجبور کیا گیا۔ انھیں مارا پیٹا گیا اور داڑھی، نوچی گئی۔

مشہور، یوگا گرو ”بابا رام دیو“ نے بیان دیا کہ:

اگر، قانون کا خوف نہ ہوتا تو بھارت ماتا کی جے، نہ کہنے والے بہت سے لوگوں کا سر،

دھڑ سے جدا کر دیا جاتا۔“

صوبہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ، شری دیویندر فونولیس نے بیان دیا کہ:

جسے ”بھارت ماتا کی جے“ نہ کہنا ہو، وہ، کہیں اور چلا جائے۔“

آخر! اس نعرے پر اتنا زور دینے کی وجہ کیا ہے؟ کوئی خاص بات، ضرور ہے۔

اور وہ، یہ ہے کہ کالی ماتا، دُرگاماتا، سرسوتی ماتا کی طرح، بھارت ماتا بھی ایک دیوی ہے

جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اور اس بھارت ماتا کی طرح طرح کی تصاویر بنائی جاتی ہیں۔ جس

میں سے ایک، یہ ہے کہ:

ملک کے جغرافیائی نقشے سے اُبھرتی ہوئی ایک دیوی کی تصویر ہے۔ جس کے ہاتھ میں بھگوا

جھنڈا ہے۔ اور اس پر، پھول مالا چڑھانے کے ساتھ، اس کی عبادت بھی کی جاتی ہے۔

جو شرک ہی شرک ہے۔ اور اسے کوئی مسلمان، ایک لمحہ کے لئے بھی قبول، بلکہ برداشت بھی

نہیں کر سکتا۔ اُس کا ملک و وطن اور اس کی خاک، اُس کے لئے ”محبوب“ تو ہے۔ مگر ”معبود“

ہرگز نہیں ہو سکتی۔

صوفی سیمینار (۷ مارچ) میں جن چند مدعو سامعین و حاضرین نے ”بھارت ماتا کی جے“

کا شرک آمیز نعرہ لگایا، اُن کا یہ عمل، دانستہ تھا۔

اور، ٹی وی چینل نے جس تیزی اور سرگرمی کے ساتھ، اسے نشر کیا، وہ بھی منصوبہ بند تھا۔

نیز، یہ کہ: میڈیا والے ایسی ہی سنسنی خیز خبر کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔

ایک ٹی وی چینل نے پروفیسر، طاہر القادری صاحب سے مختلف سوالات کرتے ہوئے،

وندے ماترم، اور بھارت ماتا کی جے اور وطن کی سرزمین کو، ماں کا درجہ، دیے جانے، کے بارے

میں سوال کیا۔ جس کے جواب میں بلا کسی استثناء کے پروفیسر، طاہر القادری نے اسے اسلامی

تعلیمات کے عین مطابق، قرار دیا۔

۷ مارچ کو، اے بی پی، نیوز چینل نے جو انٹرویو، نشر کیا، اُس کا آخری سوال و جواب،

سائل و مجیب کے الفاظ میں، اس طرح ہے:

سوال: ایک اور خبر، جو یہاں پر، سُرخپوں میں ہے، اُس پر، میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔

کیوں کہ آپ، اسلام کے بڑے اسکا لَر بھی ہیں:

”یہ کہا جاتا ہے کہ۔ یہاں پر، ایک بحث، یہ ہے کہ:

بھارت ماتا کی جے، وندے ماترم، وطن کی سرزمین کو، ماں کا درجہ دینا!

یہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ: یہ اسلام کے خلاف ہے۔

آپ، کیا کہیں گے اس پر؟

جواب: دیکھیے! وطن کی سرزمین کو، ماں کا درجہ دینا، وطن کی سرزمین سے محبت کرنا، وطن کی

سرزمین سے پیار کرنا، وطن کی سرزمین کے لئے جاں بھی دے دینا:

یہ، ہرگز، اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ عین اسلام کی تعلیمات میں داخل ہے۔

حضور عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کی تعلیمات، دی ہیں۔

جو شخص، وطن سے محبت کرنے کے خلاف، بات کرتا ہے، اس کو اسلام کے خلاف،

سمجھتا ہے، اُسے چاہیے کہ:

قرآن کو پڑھے۔ حدیث کو پڑھے۔ اسلامی تاریخ کو پڑھے۔ اور اپنی جہالت کو دور کرے۔“
اس جواب کے ساتھ ہی، انٹرویو ختم ہوتا ہے۔ اور انٹرویو لینے والا، اس طرح شکریہ ادا کرتا ہے:

”بہت بہت شکریہ! آپ کا، طاہر القادری صاحب! ہمارے ساتھ، جُڑنے کے لئے۔
اور ہم، امید کرتے ہیں کہ: جو امید، آپ لے کر آئے ہیں، اُس امید پر ہی بھارت پاکستان، رشتوں کا، کارواں، آگے بڑھے۔ بہت بہت شکریہ۔ (اے، بی، پی چینل ۱۷ مارچ ۲۰۱۶ء)
معزز و باشعور قارئین کرام! انصاف و دیانت کا دامن، تھام کر بتائیں کہ:
عقیدہ توحید سے جُڑے ہوئے اتنے حسّاس اور نازک مسئلہ پر، اتنا غیر ذمّہ دارانہ اور مدہانت آمیز جواب:

”سوال دیگر و جواب دیگر“ ہے۔ یا نہیں؟

”مارو گھٹنا، پھوٹے سر“، والی مثال، اس پر صادق آتی ہے یا نہیں؟

کسی اسلامی اسکالر کا، یہ جواب ہے، یا۔ کسی سرکاری درباری مولوی کا جواب ہے؟
اپنی ناقص قرآن فہمی و حدیث دانی اور پندارِ علم میں علمائے ہند کو یہ جسارت آمیز مشورہ دینا کہ:
قرآن و حدیث پڑھیں اور اپنی جہالت، دور کریں۔“

کیا اسے ہی نہیں کہتے ہیں کہ: اُلٹا چور، کو تو ال کو، ڈانٹے؟“ فَاغْتَبِرُوا يَا اُولِيَ الْاَبْصَارِ۔
ہمارے کچھ صوفی صاحبان، یہ باور کیے بیٹھے ہیں کہ:

صوفی، ہم ہی ہیں اور تصوف، ہمارا میدان ہے۔ مولانا احمد رضا بریلوی، ایک عالم اور مفتی ہیں۔ مگر صوفی نہیں۔ اور تصوف سے ان کا کیا لینا دینا؟

صوفی ہونے کا معیار کیا ہے؟ اور تصوف کسے کہتے ہیں؟

اس پہلو پر، یہ حضرات، اگر متانت و بصیرت سے کے ساتھ، غور فرمائیں تو حقیقتِ حال اچھی طرح، واضح ہو جائے گی۔ اور اس کے لئے کتب و رسائل اکابر صوفیہ و مشائخ کرام کا مطالعہ کرنے کی، انھیں فرصت، نکالنی ہوگی۔ اور اصل تصوف کو انھیں سمجھنا ہوگا۔

امام احمد رضا کی پوری زندگی، تصوف ہی تصوف ہے۔ اتباعِ سنت و شریعت کا نام، تصوف ہے۔ اور اس تصوف سے امام احمد رضا کی حیات کا گوشہ گوشہ، روشن و منور ہے۔

اور بِحَمْدِہ تعالیٰ، آپ، ”عملی صوفی“ ہیں۔ ”اِدّٰعی صوفی“ نہیں۔

ہمارے مہربان حضرات، اگر فتاویٰ رضویہ، کا مطالعہ کریں تو انھیں تصوف کے بہت سے احکام و مسائل اور اسرار و معارف کی تجلیات ملیں گی اور انھیں، یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ:

اپنے وقت کے بعض مشہور صوفیہ و مشائخ کرام نے بعض حقائق و معارف کی گتھیاں سلجھانے کے لئے آپ کی طرف، رجوع کیا ہے۔ اور آپ نے پوری تحقیق اور شرح و بسط کے ساتھ، اس طرح اپنے علم تصوف کا دریا بہایا ہے کہ ان کا، اور بعد کے علمی و عملی صوفیہ کی تسلی و تشفی کا پورا سامان، بہم پہنچا دیا ہے۔ یہ، وہ، نعمت و دولت و صلاحیت ہے جو خاص عطیہ ربّانی ہے۔

کچھ اور نہ سہی، اگر برادرِ مکرم، مولانا محمد احمد اعظمی، مصباحی (سابق صدر المدِرسین و موجودہ ناظم تعلیمات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ اتر پردیش، انڈیا) کی گراں قدر علمی و تحقیقی کتاب ”امام احمد رضا اور تصوف“ کا ہی ایسے حضرات، مطالعہ فرمائیں تو،

نہ صرف، یہ کہ ان کی غلط فہمی، دور ہو جائے گی، بلکہ بہت سے اسرار و معارف تصوف و احکام و مسائل تصوف سے آگاہی کے ساتھ، ان پر، یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ:

امام احمد رضا، علم تصوف کے کتنے بڑے شنار و ادا شناس اور کتنے عظیم صوفی ہیں۔

کچھ صوفی صاحبان کو، یہ شکوہ ہے کہ:

مولانا احمد رضا بریلوی نے کبھی اجمیر شریف کی حاضری نہیں دی۔

ایسے حضرات سے بصدا احترام، التماس ہے کہ وہ:

”بارگاہِ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری“، مولفہ یس اختر مصباحی کا

ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اس میں بھی اِنْ شَاءَ اللہ، بہت کچھ مل جائے گا۔

۸۸۔۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ اودھ (لکھنؤ اور اس کے آس پاس کے اضلاع) کی ایک

عظیم و قدیم، چشتی نظامی خانقاہ کے ایک صاحبِ علم و شعور فرد، جو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں

پروفیسر تھے۔ ذاکر نگر، نئی دہلی میں، گاہے گاہے، ان سے ملاقات و گفتگو ہو جایا کرتی تھی۔

انھوں نے ایک روز، مجھ سے فرمایا کہ:

بھئی، مصباحی صاحب! آپ کے، مولانا احمد رضا، بریلوی صاحب، عالم و مفتی، ضرور تھے

مگر صوفی کہاں تھے؟

اسی گفتگو کے اگلے حصے میں انھوں نے فرمایا کہ:

صوفی تو خواجہ حسن نظامی تھے۔

اُس وقت مجھے جو مناسب جواب دینا تھا، وہ دیا۔

یہ گفتگو، ہفت روزہ ”ہجوم“ ذاکر نگر، نئی دہلی کے آفس میں ہوئی۔ جہاں، میرا بھی اٹھنا بیٹھنا ہوا کرتا تھا۔ اور، یہ آفس، میری رہائش گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

جاوید حبیب صاحب (سابق صدر: اسٹوڈنٹس یونین۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، اس ہجوم کے قائد، یعنی مدیر اعلیٰ تھے۔ میری خاموش طبعی، بلکہ:

خاموش حکمت علمی اور ذہن سازی و ماحول سازی کا اثر، یہ ہوا کہ ایک روز وہ، مجھ سے کہنے لگے کہ:

اگر، آپ، مضامین، مہیا کر دیں تو مولانا احمد رضا، بریلوی پر، میں:

اپنے ہجوم کا ایک نمبر، نکال دوں۔“

میں نے کہا کہ: ٹھیک ہے۔ میں، یہ کام کر دیتا ہوں۔“

چنانچہ، میرے ہی تجویز کردہ نام سے، انھوں نے دسمبر ۱۹۸۸ء میں اپنے ہفت روزہ ”ہجوم“ کا ”امام احمد رضا نمبر“ نکالا جس میں، میں نے خواجہ حسن نظامی، دہلوی (متوفی ۱۹۵۴ء) کے،

یہ تحریری تاثرات، شامل کر دیے تھے:

”بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب، جن کو ان کے مُعْتَقِد ”مَجْدِدِ مَآةِ حَاضِرَہ“ کہتے ہیں، درحقیقت، طبقہ صوفیہ کرام میں، بہ اعتبار علمی حیثیت کے، منصبِ مجدّد کے مستحق ہیں۔

..... مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں۔ اور، یہ ایک ایسی خصلت ہے، جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے۔

..... جماعتِ صوفیہ، علمی حیثیت سے مولانا کو اپنا بہادر، صف شکن سمجھتی ہے۔

اور، انصاف، یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔“ الیٰ آخِرہ۔

(ہفت روزہ ”خطیب“، دہلی، جلد ۱۔ شمارہ ۱۱-۲۲/مارچ ۱۹۱۵ء)

خواجہ حسن نظامی، دہلوی (متوفی ۱۹۵۴ء) کے یہ تاثرات، پڑھنے کے بعد، پروفیسر صاحب، ایسے خاموش ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔

آج، جنھیں اس حد تک، زعمِ سیادت ہے کہ:

”میں آل رسول ہوں۔ خان پٹھان، کیا جانوں؟؟“

وہ، نہیں جانتے تو اب سے جان لیں کہ:

جاننے والوں نے اس ”خان پٹھان“ کو کیا اور کتنا جانا ہے؟

حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی، سجادہ نشین خانقاہِ معظم، بہار شریف (وصال ۱۳۲۱ھ/

۱۹۰۲ء) مدرسہ اہل سنت، پٹنہ بہار کے سرپرست تھے۔ اسی مدرسہ اہل سنت، پٹنہ کے اہتمام و انصرام میں، رجب ۱۳۱۸ھ/نومبر ۱۹۰۰ء میں ایک عظیم الشان کانفرنس، پٹنہ میں ہوئی۔

جس میں متحدہ ہندوستان کے اکابر علمائے مشائخ و صوفیہ کرام، بڑی تعداد میں شریک تھے۔ مثلاً:

مارہرہ شریف سے حضرت سید شاہ اسماعیل حسن، قادری برکاتی و حضرت سید شاہ فقیر عالم، قادری برکاتی، دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد سے حضرت مولانا سید شاہ اجمل، الہ آبادی، و حضرت

مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، و حضرت مولانا سید بشیر احمد اجملی، الہ آبادی۔ بدایوں سے حضرت مولانا عبد القادر، عثمانی، بدایونی و حضرت مولانا عبد القیوم عثمانی، بدایونی و حضرت مولانا عبد المتقدر

عثمانی، بدایونی، رام پور سے حضرت مولانا اعجاز حسین، رام پوری و حضرت مولانا عبد الغفار، رام پوری و حضرت مولانا ظہور الحسنین، فاروقی، رام پوری۔

نیز، حضرت مولانا وحی احمد، محدث سورتی و حضرت مولانا ہدایت اللہ، جون پوری و حضرت مولانا عبد السلام، جبل پوری و حضرت مولانا سید شاہ عبد الصمد، چشتی، سہوانی و حضرت مولانا سید

امیر احمد، بریلوی و حضرت مولانا سید محمد اعظم، شاہجہاں پوری و حضرت مولانا حکیم مومن سجاد، کان پوری و حضرت مولانا خلیل الرحمن، خلیفہ حضرت شاہ فضل رحمان، گنج مراد آبادی۔

وَعَبْرُهُمْ، رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

اور مشاہیر علمائے مشائخ صوبہ بہار میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:

حضرت شاہ محی الدین، خلیفہ حضرت شاہ بدر الدین، خانقاہ پھلواری شریف و حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری و حضرت مولانا محمد سعید، بہار شریف و حضرت سید شاہ عزیز الدین ابوالخلائق، سجادہ نشین، حضرت منعم پاک، پٹنہ و حضرت سید شاہ شہوڈ الحق اصدقی و حضرت سید شاہ

عبد القادر، خانقاہ اسلام پور و سید شاہ وحید الحق و سید شاہ غلام شرف الدین و سید فضل حسین فردوسی۔

وَعَبْرُهُمْ، رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

”خان پٹھان“ کا جلوہ، ذرا دیکھیے کہ:

”حضرت سید اسماعیل حسن میاں (مارہروی) صاحب کا بیان ہے کہ:

۱۳۱۸ھ میں ندوہ کا جلسہ، پٹنہ میں ہوا تھا۔ جناب، قاضی عبد الوحید (فردوسی) صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ، رئیس اعظم، محلہ لودی کٹہرہ (پٹنہ) نے حسین ندوہ اہل سنت و جماعت کا

جلسہ بھی وہیں، منعقد کیا تھا۔ اس میں اکثر و بیشتر علمائے اہل سنت و جماعت، تشریف فرما تھے۔ جب، مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) کا بیان، شروع ہوا، شب کا وقت تھا۔ میں، اور (تاج الفحول) مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب، جلسے میں، نہ تھے، قیام گاہ پر تھے۔ میں سونے کو لیٹ گیا تھا۔

حضرت مولانا عبدالقادر (بدایونی) صاحب نے مجھے جگا کر فرمایا کہ:

میاں! مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔

اس وقت، ”ہمارے پٹھان“ کے وار، دیکھنے کے قابل ہیں۔ چلیے۔

ہم سب بھی جلسے میں جا پہنچے۔ بہت زور کا بیان، مولانا (بریلوی) فرما رہے تھے۔ ”الخ۔ (ص ۱۷۳۔ حیات اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مؤلفہ مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی عظیم آبادی۔ مطبوعہ مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور)

اسی تاریخی کانفرنس (۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء۔ پٹنہ) میں اپنے خطاب کے دوران، حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی، خلف اکبر، محب رسول تاج الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی نے اس ”خان پٹھان“ کو ”مجدد مباحثہ حاضرہ“ کہا۔

اور متحدہ ہندوستان کے سیکڑوں مشاہیر علمائے و مشائخ و صوفیہ، نیز ہزاروں مسلمانان اہل سنت نے شرح صدر کے ساتھ، آپ کی مجددیت کو تسلیم کرتے ہوئے، مستقل طور پر:

آپ کو مجدد کہنا اور لکھنا، شروع کر دیا۔

اعتبار و استناد کا، یہ عالم تھا کہ:

حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد، نوری میاں، قادری، برکاتی، مارہروی سے نور العارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد، نوری میاں، مارہروی نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ:

جو شخص، مولانا عبدالقادر، بدایونی اور مولانا احمد رضا صاحب بریلوی سے محبت رکھے، اُسے دیندار جانو۔

اور جو شخص، ان دونوں سے بغض رکھے، اُسے سمجھ لو کہ:

بد مذہب ہے۔ یا۔ کسی بد مذہب کے پھیر میں پھنسا ہوا ہے۔.....

اور فرماتے تھے کہ: بیٹا!

ہمارا اب یہی دستور العمل ہے۔ (اور فقیر کا بھی یہی دستور العمل رہا) کہ:

جو مسئلہ، مولانا احمد رضا خاں صاحب نے بیان فرمادیا، اُس پر دل، فوراً مطمئن ہو گیا۔ اور ان کی تحقیق اور غور و تدبیر کے کثیر در کثیر مشاہدات و واقعات نے، یہ حالت کر دی تھی کہ:

جو مسئلہ، دریافت کرتا، اس کی نسبت لکھ دیتا کہ:

مسئلہ کا حکم لکھ دیجیے۔ دلیل کی ضرورت نہیں۔“

(ص ۱۰۰۴۔ حیات اعلیٰ حضرت، مکمل۔ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

تاج العلماء و العرفاء، حضرت مولانا سید شاہ اولاد رسول، محمد میاں، قادری برکاتی مارہروی تحریر فرماتے ہیں:

”ان کی تقریرات و تحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد، دینی و علمی، حاصل ہوئے۔ اور چوں کہ تقریر و تحریر میں ان کا طریقہ، بے لوث اور مؤاخذات صوری و معنوی، شرعی و عرفی سے منزہ اور مبرا، ثابت ہوا، لہذا، فقیر بھی تابعہ وسعت، ان کے طریقے کا اتباع کرنا، پسند کرتا ہے۔“ (ص ۵۳۔ خاندان برکات، مطبوعہ لکھنؤ)

اور اپنے ”چشم و چراغ خاندان برکات“ کو برکاتی سائبان رحمت و ظل عافیت کی مستحکم ضمانت اور حوصلہ افزاء و روح پرور بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

شمع بزم اولیاء، احمد رضا نور چشم اتقیا، احمد رضا
دین احمد کا مجدد یاقین سچا عبد المصطفیٰ، احمد رضا
صدر بزم عالمان دین حق کاملوں کا پیشوا، احمد رضا
غرق بحر شرع، از سرتا بہ پا حب احمد میں فنا، احمد رضا
تیری اُلفت، میرے مُرشد نے مجھے دی ہے گھٹی میں پلا، احمد رضا
مجھ پہ بے حد تھا، ترا لطف و کرم ہے بھی، اور ہو بھی سدا، احمد رضا
لاکھ حاسد، کچھ بکس، لیکن فقیر
تیرا، تیرا ہے، ترا، احمد رضا

ماضی قریب کے حضرت سید العلماء، مارہروی و حضرت احسن العلماء، مارہروی علیہما
الرحمۃ والرضوان کے خطاب کے دوران ”میرے اعلیٰ حضرت، میرے اعلیٰ حضرت“ کی:
دل نشیں اور روح پرور آواز، ابھی تک ہزاروں علمائے و عوام اہل سنت کے کانوں میں

رَس گھول رہی ہے۔

اور حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی، مارہروی کا یہ خراج تحسین، کتنا عظیم ”تحفہ سیادت“ ہے کہ:

”خان زادہ“ سیدوں کا، اعلیٰ حضرت ہو گیا

حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی، مارہروی اور حضرت سید نجیب حیدر میاں، قادری برکاتی بھی اپنے اعلیٰ حضرت کا گن گان کرتے اور بریلی کے ”اپنے پٹھان“ کا لوہا منواتے رہتے ہیں۔ اور حضرت سید محمد اشرف، قادری برکاتی، مارہروی، ارشاد فرماتے ہیں:

مَنَارِ قَصْرِ رِضَا تُو بَلَدِ، کَافِی ہِے

تَم، اَس کے اِیک ہی زینے پہ چڑھ کے، دِکھلا دو

”فِتَاوِی رِضَوِیہ“ تُو اِک کِرامت ہِے

ذِرا ”خِدا اِتی بَخِشش“ ہی پڑھ کے، دِکھلا دو

ناگ پور (مہاراشٹر) میں شوال ۱۳۷۹ھ کو امام احمد رضا کا جشن ولادت منایا گیا، جس میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے محدث اعظم ہند، حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ، علم فقہ و افتا میں اپنے استاذ و مربی اور اپنے مُرشِدِ اجازت و خلافت، امام اہل سنت، مجتہد دین و ملت کو ”قطب الارشاد“ اور ”اعلیٰ حضرت“ ”علی الاطلاق“ فرماتے ہوئے آپ کے علمی و فقہی تجر و استحضار اور جامعیت و کمال کو اس طرح خراج تحسین پیش فرماتے ہیں:

ہم، اور آپ، قرآن حکیم کا سہارا لے کر، اس مہینے کی یادگار منانے کے لئے یک جا ہوئے ہیں، جس مہینے میں، اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ، اور رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جلیل شاخ، اور عمل صالح کا اُسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر زخار، منقولات میں دریاے ناپیدا کنار، اہل سنت کا امام واجب الاحترام، اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم ”مجتہد“۔

تصدیقِ حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر،

رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر۔

دولتِ فقہ و روایت میں امیر المومنین اور سلطنتِ قرآن و سنت کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین۔

”اعلیٰ حضرت“ علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجتہدِ دِماءِ حاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ۔

اَعْلَمُ الْعُلَمَاءِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ وَ قُطْبُ الْاِرْشَادِ عَلٰی لِسَانِ الْاَوْلِيَاءِ ۔

مولانا و فی جمیع الکملات اولانا، فانی فی اللہ و الباقی باللہ۔
عاشقِ کاملِ رسول اللہ، مولانا شاہ احمد رضا، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ۔ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ
وَارْضَاهُ عَنَّا۔ اِلٰی اٰخِرِہ۔

..... عادت کریمہ تھی کہ استفتا، ایک ایک مفتی کو تقسیم فرمادیتے۔

اور پھر، ہم لوگ، دن بھر، محنت کر کے جوابات، مرتب کرتے۔

پھر، عصر و مغرب کے درمیان، مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے، استفتا، پھر، فتویٰ سماعت فرماتے۔ اور بیک وقت، سب کی سنتے۔

اسی وقت، مصنفین، اپنی تصنیفیں دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو، کہیں، اور جو سنا نا ہو، سنائیں۔

اتنی آواز میں اس قدر جُدا گانہ باتیں، اور صرف:

ایک ذات کو سب کی طرف، توجہ فرمانا، جواب کی تصحیح و تصدیق، مصنفین کی تائید اور تصحیح الفاظ، زبانی سوالات کے جوابات، عطا ہو رہے ہیں۔

اور فلسفیوں کے اس خطبے کی کہ: ”لَا یَصْدُرُ عَنْ وَاحِدٍ اِلَّا الْوَاحِدُ“ کی دھجیاں، اڑ رہی ہیں۔

..... یہ چیز، ہر روز پیش آتی تھی کہ:

تکمیلِ جواب کے لئے جو نیاتِ فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے۔

اُسی وقت، فرمادیتے کہ رَدُّ الْمُحْتَار، جلد فلاں کے صفحہ فلاں پر، ان الفاظ کے ساتھ، یہ جُزئیہ، موجود ہے۔ دُرِّ مُخْتَار کے فلاں صفحہ، فلاں سطر میں یہ عبارت، موجود ہے۔

عالم گیری میں یقید، جلد و صفحہ و سطر، یہ الفاظ، موجود ہیں۔ (یہ سب) ارشاد فرمادیتے۔

اب جو کتابوں میں جا کر دیکھتے تو صفحہ و سطر وہی پاتے، جو زبانی، اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمادیا تھا۔“

(خطبہ صدارت۔ یومِ رضا۔ ناگ پور، مہاراشٹر ۱۳۷۹ھ۔ مطبوعہ ماہنامہ تجلیات،

ناگ پور۔ ۱۹۶۶ء)

حضرت محدثِ اعظم ہند و دیگر افرادِ خانوادہ اشرفیہ، کچھوچھوچھو مقدسہ کی یہ روایت متواترہ ہے کہ:

شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی، وضو فرما رہے تھے کہ:

آپ پر، رِقَّت اور گریہ کی کیفیت، طاری ہوئی۔ اور ارشاد فرمایا:

”میں، فرشتوں کے کاندھے پر ”قطب الارشاد“ کا جنازہ، دیکھ رہا ہوں۔“

بریلی شریف میں امام احمد رضا کا وصال ہوا، کچھوچھو شریف میں آپ، دیکھ رہے ہیں کہ

فرشتوں کے کاندھے پر، قطب الارشاد کا جنازہ ہے۔

اور اُس وقت تک آپ کے وصال کی خبر، کچھوچھو شریف، پہنچی بھی نہیں تھی۔

یہ ”خان پٹھان“ کا رتبہ بلند ہے۔ جو:

ابو حنیفہ ہندوستان اُٹھند بھی ہے۔ اور مجدد اسلام اور قطب الارشاد بھی ہے۔

عاشق رسول بھی ہے اور نائبِ غوث الوریٰ بھی ہے۔

جس کی شہادت، وہ، علما و صلحا و مشائخ و صوفیہ دے رہے ہیں۔

جو، آل رسول بھی ہیں اور سادات ذوی الاحترام بھی ہیں۔

نصیب کی، یہ وہ، ارجمندی اور کعبۂ اقبال کی وہ رفعت و سر بلندی ہے کہ:

یہ رتبہ بلند، ملا جس کو مل گیا

محافظ کتب حرم محترم، حضرت سید اسماعیل بن سید خلیل، اپنے ایک مکتوب (محررہ رجب

۱۳۲۴ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

..... وَ سَيِّدِي الشَّيْخُ صَالِحُ كَمَالٍ، مَامِنْ مَجْلِسٍ، إِلَّا وَيَذْكُرُ

کمالاً تکم۔

بِحَمْدِ اللَّهِ! آپ نے اَرْضِ حرم میں دو عظیم الشان ستون، قائم کر دیے ہیں:

(۱) الدَّوْلَةُ الْمَكِّيَّةُ بِالْمَادَّةِ الْعِيبِيَّةِ۔

(۲) كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرَاطِسِ الدَّرَاهِمِ۔

اللہ نے چاہا تو آپ کا چرچا، عام ہوگا۔

ہموار و ناہموار زمین کے باشندے اور دور و نزدیک کے سارے مسلمان، آپ کے

فضل و کمال سے آگاہی پائیں گے۔ کیوں کہ:

ہمارا شہر (مکہ مکرمہ) تمام شہروں کے لئے ماں (اصل) ہے۔ اور ماں، اولاد کی طرح

(ناقد رشناس) نہیں ہوتی۔

والد محترم، سید خلیل آفندی، میرے بھائی، مصطفیٰ خلیل اور مولانا شیخ عبدالحق و شیخ صالح

کمال و شیخ اسعد دھان، ان کے بھائی، شیخ عبد الرحمن دھان و سید محمد مزونی و شیخ بکر رفیع۔

یہ سبھی حضرات، آپ کی خدمت میں سلام، عرض کرتے ہیں۔

اور آپ سے، دعا کے طالب ہیں۔ و دُمْتَ وَالسَّلَام۔ ۱۲/ رجب ۱۳۲۴ھ

(الْإِجَازَاتِ الْمُتَمِينَةِ لِعُلَمَاءِ بَغْدَادِ وَ الْمَدِينَةِ۔ مطبوعہ بریلی ولاہور)

یہ وہ دید زیب ”طغرے“ ہیں جن سے فضیلت و عظمتِ احمد رضا کی کرنیں، پھوٹ رہی

ہیں۔ اور یہ وہ ”آئینے“ ہیں جن میں آج کے سادات و صوفیہ کرام، اپنے مقدس چہروں کے نقش

و نگار، بخوبی، دیکھ سکتے ہیں اور اپنے اجداد و اسلاف کرام کی رضا و خوشنودی، حاصل کرنے کے لئے،

حسبِ توفیق، اپنی بہت کچھ اصلاح بھی فرما سکتے ہیں۔

جسے ”احمد رضا“ کا رتبہ بلند، آپ کا منصب رفیع اور آپ کی فیض بخش و جلوہ بار زندگی کا

شاندار مرتفع دیکھنا ہو، وہ، مندرجہ ذیل حقائق کو پیشِ نظر رکھے اور بصیرت کے ساتھ، ان کے

ہر پہلو پر، غائرانہ نظر ڈالتے ہوئے آپ کی دینی و علمی و روحانی عظمت و فضیلت و رفعت کو تیرے دل سے

خراجِ تحسین، پیش کرے:

قلب و نظر کی زندگی، دشت میں صبح کا، سماں

چشمہ آفتاب سے، نور کی ندیاں، رواں

مُتَّحِدِہ ہندوستان کی اناظم و اکابر شخصیات اور طبقہ علما میں ابو حنیفہ ہند، امام اہل سنت،

مولانا الشاہ محمد احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی اپنے علم و دانش، فکر و فہم، تبحر و تفقہ،

بصیرت و فراست اور کمال و جامعیت، ہر لحاظ سے:

چودہویں صدی ہجری کے ممتاز و جلیل القدر عالم دین و مفسر عظیم و محدث جلیل و متکلم اسلام

وفیقہ و مفتی انا م و شیخ و مرشد تصوف و طریقت و مداح رسول مکرّم اور عاشق رسول معظّم ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِيِّنَا وَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِهِ وَ اصْحَابِهِ وَ حِزْبِهِ

وَ عُلَمَائِهِ اٰمَنَہِ وَ مَشَائِخِہِ مِلَّتِہِ اٰجَمَعِہِ۔

(۱) جن کا ترجمہ قرآن (كُنْزُ الْإِيْمَانِ فِي تَرْجُمَةِ الْقُرْآنِ) اردو زبان کا سب سے

جامع و مستند ترجمہ ہونے کے ساتھ، ہندوپاک میں سب سے زیادہ شائع ہونے، اور ساری اردو دنیا

میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا، مقبول ترین، ترجمہ قرآن ہے۔

(۲) جن کی ہزاروں صفحات پر مشتمل تحریرات و فتاویٰ میں احادیث نبوی کی جلوہ سامانی، کتب حدیث کے حوالوں کی فراوانی، اور علم حدیث کے مختلف فنی پہلوؤں پر تحقیقی مباحث و معارف دیکھ کر، معاصر علماء و فقہا و محدثین کرام نے انہیں ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ قرار دیا۔

(۳) جن کا مجموعہ فتاویٰ، معروف، بہ ”فتاویٰ رضویہ“ (الْعَطَايَا النَّبَوِيَّةُ فِي الْفَتَاوَى الرَّضَوِيَّةِ) چودھویں صدی ہجری کے ”ابوصحفہ ہند“ کا، بے مثال ”فتاویٰ ہندیہ“ اور اردو زبان میں فقہ حنفی کا شاہکار ”فقہی انسائیکلو پیڈیا“ ہے۔

(۴) جنہوں نے اپنے سفر حج و زیارت ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کے دوران، کرنسی نوٹ کے پیدا شدہ مسئلہ پر، فَتْحُ الْقَدِير کا ایک فقہی جُزئیہ پیش کر کے، علماء و فقہاے حرمین شریفین کا تذبذب، دور کیا کہ اس کی حیثیت، رسید نہیں بلکہ مال کی ہے۔

جس کے بعد، عالم اسلام کے سبھی علماء و فقہا و مفتیان کرام، کرنسی نوٹ کے مال ہونے پر، شرح صدر کے ساتھ، مطمئن اور متفق ہو گئے۔

(۵) جنہوں نے ۱۹۱۲ء میں بمبئی و کلکتہ وغیرہ کے مسلم اہل دولت و ثروت کو ”مسلم بینک“ قائم کرنے کا تحریری مشورہ دیا۔ جب کہ:

مسلم معاشرہ، بلکہ مسلم اصحاب علم و آرباب فکر اور اہل حرفت و صنعت و تجارت کے ذہنوں میں بینک اور اس کے قیام کا، اُس وقت تک، کوئی تصور بھی نہیں تھا۔

(۶) جنہوں نے جنگ طرابلس (۱۹۱۱ء) و جنگ بلقان (۱۹۱۲ء) و حادثہ مسجد، مچھلی بازار، کان پور (۱۹۱۳ء) و تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) و تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) و تحریک ہجرت (۱۹۲۰ء) کے دوران، مسلمانانِ مُتَّحِدہ ہند کی ہدایت و رہنمائی کے لئے شرعی احکام و حُدُود کی تفصیلات بتاتے ہوئے، ہر حال میں انھیں شرعی احکام و حُدُود کی پابندی کی تلقین و تاکید پر مشتمل، نہایت وقیع و اہم اور فیصلہ کن فتاویٰ، جاری کیے۔

اور مسلم لیڈروں کی بہت سی بے اصولیوں اور بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے مسلمانانِ مُتَّحِدہ ہند کو، ان لیڈروں کے تجاوز و انحراف کے خطرناک نتائج و عواقب سے بروقت آگاہ اور متنبہ کیا۔

(۷) جن کی بصیرت و دیدہ وری اور دور اندیشی کا روشن نمونہ، یہ ہے کہ:

آپ ہی کے حکم کے مطابق، آپ کے خلیفہ، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف، بہاری ٹم علی گڑھی (متوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء۔ مدفون علی گڑھ) صدر یار جنگ، نواب، حبیب الرحمن خاں، شیروانی علی گڑھی (متوفی ۱۹۵۱ء) کی دعوت پر ۱۹۰۲ء میں علی گڑھ کالج سے حیثیتِ استفادہ دینیات، منسلک ہوئے اور پھر، سالہا سال تک، شعبہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے صدر کی حیثیت سے عالمانہ عظمت و وقار اور سر بلندی و سرفرازی کے ساتھ، یونیورسٹی کی دینی و علمی فضا اور ماحول پر چھائے رہے۔ اسی طرح، آپ نے ایک مکتوب کے ذریعہ، اپنے تلمیذ و خلیفہ، حضرت مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کو مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (صوبہ بہار) کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ: اور اس کا ہاتھ میں رکھنا، ضرور ہے۔“

چنانچہ، آپ کے دو تلامذہ، مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی اور مولانا سید عبدالرشید، عظیم آبادی، مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کے مدرس ہوئے۔ اور ایک مدت تک، مولانا محمد ظفر الدین احمد، قادری رضوی، عظیم آبادی، اس مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل بھی رہے۔

(۸) جن کی نعتیہ شاعری (مشمولہ ”حدائق بخشش“) نے مُتَّحِدہ ہندوستان (موجودہ ہندوپاک و بنگلہ دیش) کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے مختلف ایشیائی ممالک کے ساتھ، یورپ و امریکہ و افریقہ و آسٹریلیا کی، نہ جانے کتنی اور کیسی کیسی مسلم آبادیوں کی فضاؤں کو اپنے رسولِ رحمت، مصطفیٰ جانِ رحمت (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی نواسنجی سے معمور کر دیا۔ اور جذب و تاثیر و رُوحانِ خلق اور قبولِ عام کا، یہ عالم ہے کہ:

اس معنورہ عالم میں اردو زبان کا کوئی منظوم سلام:

اگر، آج، سب سے زیادہ پڑھا جا رہا ہے۔

کسی نغمہِ عشق کی گونج، جبر و برکی و سُعتوں میں، سب سے زیادہ، سنائی دے رہی ہے۔

کسی ترانہِ محبت کی لئے، عشاقِ رسول کے کانوں میں، سب سے زیادہ، رس گھول رہی ہے۔

جس سے روح میں اہتزاز اور قلب میں وجدانی کیفیت، طاری ہو جاتی ہے۔ تو:

وہ، یہ دل کش و دل آویز سلامِ رحمت اور تحفہِ اخلاص و عقیدت ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شیع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

(۹) جنہوں نے مُتَّحِدَہ ہندوستان کے طُول و عرض میں اپنی کتب و رسائل، اپنے خُلفاء و تلامذہ، نیز معاصر علما و مشائخ کرام کے اشتراک و تعاون سے دعوت و اصلاح و ہدایت کا عظیم فریضہ انجام دے کر، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کے ایمان و اسلام کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم اور اُن کی فسیلوں کو بلند و بالا کر دیا۔

(۱۰) جنہوں نے علمی و عملی طور سے محبت و اطاعتِ نبوی و عشق و اتباعِ مصطفوی کے نقش و نگار کو مزید واضح و روشن کر کے، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کے ہر حلقے میں:

پیغامِ عشقِ رسالت اور پیرویِ سنتِ رسول کریم (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کو عام سے عام تر کرتے ہوئے ذاتِ مصطفوی (عَلِیْ صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام) کے ساتھ، سعید و صالح مسلمانوں کی نسبتِ غلامی کو قابلِ رَشک ہمواری و اُستواری اور استحکام و استقلال بخشا۔ (۱۱) جو، اپنی زبان و قلم کے ذریعہ، مسلمانانِ مُتَّحِدَہ ہند کے دلوں میں مشاہیرِ اسلام و اکابر و اُسلافِ کرام کی شمعِ عقیدت و احترام کی کو، تیز تر کر کے:

انعامِ خداوندی سے سرفراز فُوسِ قدسیہ کے نقوشِ قدم پہ، تاحیاتِ گامزن رہنے کا، تاحیاتِ درس دیتے اور تلقین و تاکید فرماتے رہے۔

(۱۲) جو، سلسلہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ (مارہہ مطہرہ) و سلسلہِ حقّی (دہلی) و سلسلہِ عزیزی ولی اللہی (دہلی) اور سلسلہِ فُرُغی محل (لکھنؤ) کی بے شمار دینی و علمی و روحانی دولتوں، نعمتوں، وراثتوں اور روایتوں کے حامل و امین ہیں۔

جن کے بارے میں عارفِ باللہ، حضرت شیر محمد، شرق پوری، نقشبندی اور امیرِ مِلّت، حضرت سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری، سیالکوٹی، عَلَیْہِمَا الرَّحْمَۃُ وَ الرَّضْوَانُ کو:

غوثِ اعظم، سیدنا عبدالقادر جیلانی، بغدادی، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے عالمِ خواب میں بشارت دی کہ:

ہندوستان میں ”احمد رضا“ میرے نائب ہیں۔

(۱۳) جنہیں، مارہہ مطہرہ میں خاتمِ اکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی نے بوقتِ بیعت و ارادت ہی اجازت و خلافت سے نوازا۔

اور اسی مبارک موقع پر اپنی زبانِ فیض ترجمان سے اس خصوصی التفات و عنایت کا اظہار فرما کر، آپ کو بارگاہِ الہی میں پیش کیا جانے والا بیش قیمت ”جَلَّتِ برکاتی تحفہ“ بنا دیا کہ:

”اللہ تبارک و تعالیٰ، اگر بروز قیامت، مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ:

آل رسول! میرے لئے کیا لائے ہو؟ تو میں، مولوی احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔“

(۱۵) جن کی سعادت و سرفرازی کے لئے مُرشدِ طریقت، حضرت خاتمِ اکابر، مارہروی کی بارگاہ سے ”چشم و چراغ خاندانِ برکات“ کا خطاب، دیے جانے کا، بدستِ نورِ انوارِ رفین، سید شاہ ابوالحسن احمد، نوری، مارہروی، ”مرکاتی وثیقہ“ صادر ہوا۔

(۱۶) جنہیں، محدثِ اعظم ہند، حضرت مولانا سید شاہ محمد محدث اشرفی، کچھوچھوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَ الرَّضْوَانُ نے فرمایا:

”علیٰ حضرت“ عَلَی الْاِطْلَاق، ”امامِ اہل سنت“ فِی الْاِتِّفَاق، مجدِّ دِمَاۃِ حَاضِرَہ، مُؤَيَّدِ مِلَّتِ طاہرہ۔

(۱۷) جن کے وصال کا ٹیلی گرام (تار) کچھوچھو مقدسہ پہنچنے سے پہلے ہی، شیخ المشائخ، حضرت سید علی حسین اشرفی، کچھوچھوی نے فرمایا:

میں، فرشتوں کے کاندھے پر ”قطب الارشاد“ کا جنازہ، دیکھ رہا ہوں۔“

(۱۸) جنہوں نے اسلامی تصوف و طریقت اور معمولاتِ اہل سنت و جماعت کو:

اپنی مدلل و مستند تحریرات و فتاویٰ کے ذریعہ، مزید علمی استحکام سے مُزَيَّن و مُؤَثَّق و مُؤَيَّد کرتے ہوئے سَوَادِ اعظمِ اہل سنت و جماعت کو:

مذہب و مسلک کا گہرا شعور اور صحیح عرفان، عطا فرمایا۔

(۱۹) جنہوں نے اپنے حق شعار و حق نواز و حق نگار قلم کو مسلسل، رواں دواں رکھتے ہوئے سَوَادِ اعظمِ اہل سنت و جماعت کی ہمہ جہت رہنمائی کا گراں قدر اور قابلِ صدرِ شک فریضہ انجام دیا۔

(۲۰) جن کے فولادی ہاتھوں نے تائید و نصرتِ حق و اہل حق کے ہر مرحلہ میں باطل و اہل باطل کے خوں آشام پنجے، مروڑ کر، انہیں، ہزیمت و پسپائی پر مجبور کر دیا۔

(۲۱) جن کے رُسُوخِ علم و فن اور کمالِ مہارت و عبقریت پر، تقریباً ایک ہزار و قریب اور گراں قدر کتب و رسائلِ رضویہ، منہ بولتا ثبوت اور شاہدِ عدل ہیں۔

(۲۲) جو، بچپن (۵۵) علوم و فنون سے زائد، متاعِ علم و دانش اور سرمایہ فکر و فہم کے ساتھ، حدیثِ نبوی کے بحرِ عمیق و دریائے تحقیق کی غَوَاصِی و جوہر شناسی، اور ذاتِ نبوی (عَلِیْ صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام) سے وابستگی و شفقتی و وارثی میں:

عکس ”سراج الہند“ (شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی) و ”شیخ الہند“ (امام المحدثین، شیخ عبدالحق، محدث دہلوی) ہونے کے ساتھ اپنی حکمت بالغہ میں ”غزالی ہند“ اپنی فراست و بصیرت و تفقہ میں ”ابو حنیفہ ہند“ اور اپنی نعتیہ شاعری میں ”حسان الہند“ ہیں۔

(۲۳) جو، اپنے فضل و کمال، زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنت و شریعت کے ہر باب میں ممتاز و فائق الاقران اور مرجع علماء و فقہائے اسلام ہیں۔

(۲۴) جن کا مسلکِ حق و صداقت اور سلسلہٴ ذکر و فکر، اپنے اکابر و اسلافِ سواِ اعظم اہل سنت و جماعت کے، سایہٴ رحمت میں، اُن کے نقوشِ قدم کی اقتدا و اتباع کرتے ہوئے، اپنے عقائد و افکار و معمولات میں مکمل طور سے، ان کے ساتھ، مربوط و منظم اور ہم آہنگ ہے۔

(۲۵) جن کی ذاتِ قدسی صفات، ہر زاویہٴ حیات و خدمات و اعمال میں اپنے اکابرِ علماء و فقہاء و صوفیہ و مشائخِ کرام کا عکسِ جمیل ہے۔

(۲۶) جن کی مثالی شخصیت، خصوصیت کے ساتھ، امام المحدثین، بركةُ اللہ فی الہند، عاشقِ رسول، شیخ عبدالحق، حنفی، قادری، محدث دہلوی کے رُسوخِ علم و استقامتِ دین، و کمالِ حکمت و بصیرت، اور مجددِ اَلْفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، نقشبندی، سرہندی کی ہمت و جراتِ حق گوئی و جذبہٴ اغلائے کلمہٴ حق کی، اپنے دور میں پُر تَوَنُّو و نمونہٴ کامل، اور:

تعلیم و تقدیسِ رسالت پناہی (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی ایمان افروزِ ہم اور قافلہٴ حق و صداقت کی، قائد و سالار ہے۔

(۲۷) جن کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر، ہند و پاک کے خالص مذہبی حلقوں کی تحریرات و مضامین و مقالات اور رسائل و کتب کے علاوہ، ملک و بیرونِ ملک کی متعدد یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالروں نے اپنے مقالاتِ تحقیق (ایم، فل۔ و۔ پی، ایچ، ڈی) کی حوصلہ افزا اقطار کا ایک گراں قدر اور قابلِ افتخار سلسلہ، قائم کر رکھا ہے۔

چنانچہ، ہند و پاک کے علاوہ، جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر سے کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ تک جو مقالاتِ تحقیق لکھے اور یونیورسٹیوں کی طرف سے منظور کیے جاسکے ہیں، اُن میں پی ایچ ڈی کی تعداد، تقریباً چالیس (۴۰) اور ایم فل کی تعداد، پندرہ (۱۵) کے لگ بھگ ہے۔

(۲۸) جن کے عظیم المَثَبِ خُلَفَا و تلامذہ نے متحدہ ہندوستان کے طُول و عرض میں

اپنے درس و تدریس، وعظ و خطابت، اصلاح و ہدایت، بیعت و ارشاد اور دعوت و تبلیغ کی برکت سے بے شمار مسلم آبادیوں کو، فیض یاب و سیراب کیا۔

(۲۹) جن کے نام کی نسبت سے ہند و پاک و بنگلہ دیش کے طُول و عرض میں سیکڑوں مدارسِ اہل سنت ”رضوی مدارس“ کی حیثیت سے مصروفِ تعلیم و تعلم ہیں۔

(۳۰) جن کی وقیع، دینی و علمی خدمات اور تجدیدی کارناموں کی تائید و تحسین کرتے ہوئے علمائے عرب و عجم نے، انہیں ”چودھویں صدی ہجری کا مجدد“ قرار دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِک۔

ابو حنیفہ ہند، امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی کے محاسن و کمالات اور مآثر و خدمات کا دائرہ، بے حدودِ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

جن میں آپ کی صلابت و استقامتِ دینی و عشقِ رسول و اتباعِ سنت و شریعت۔ اور تفقہ و افتا کو نمایاں مقام، حاصل ہے۔

اسی طرح، ردِّ فرق و اجوابِ باطلہ میں بھی آپ کی تحریری و قلمی خدمات، اپنی مثال آپ ہیں۔

امام احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی، قُدَسَ سِرُّہُ نے خود اپنے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اُسے ذیل میں پڑھ کر، آپ کی خصوصیات و صفات، اَظْہَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہو جاتی ہیں۔

اپنی دینی و علمی مجلس میں امام احمد رضا، بریلوی، قُدَسَ سِرُّہُ نے ایک بار، ارشاد فرمایا کہ:

”بِحَمْدِ اللہ، اگر میرے قلب کے، دو ٹکڑے کیے جائیں:

تو خدا کی قسم! ایک پر لکھا ہوگا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ - دوسرے پر لکھا ہوگا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ -

(ص ۶۲ - المُلَظوظ، حصہ سوم - ص ۱۰۴ - حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول - مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی)

ہاں! یہ، وہی ”احمد رضا“ ہے جس کا قلب، کلمہٴ اسلام کا گنجینہ اور عشقِ رسالت کا مدینہ، جس کا سینہ، علوم و معارف کا خزینہ اور جس کا قلم، حق و ہدایت کا سفینہ ہے۔

ہاں! یہ، وہی ”احمد رضا“ ہے جو نسبتِ رسول کے ادب و احترام کا درس دیتا اور زندگی بھر، اس ادب و احترام کے نمونے، پیش کرتا ہے۔

ہاں! یہ، وہی ”احمد رضا“ ہے جس نے طوفانوں کی زد پر تقدیسِ رسالت کی جو تحریک اٹھائی تھی، اُس نے عشق و عرفان کی ایسی موسلا دھار بارش برسائی جس سے، کشورِ ہند ہی نہیں، بلکہ

مختلف اقصائے عالم تک کی سرزمین، جل تھل ہوگئی۔

عشق کی سرفرازی کا یہ کتنا عظیم نمونہ ہے کہ:

ہندوپاک ہی نہیں، ساری اردو دنیا کے گلی کوچے، یک زبان ہو کر، زمزمہ خواں، بن گئے ہیں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ہاں! یہ، وہی ”احمد رضا“ ہے جس کا اسم گرامی، اب اہل سنت کا سکونِ قلب

اور راحتِ جاں، بن چکا ہے۔ اور صبح و شام، اُن کی زبانیں، اس عاشقِ رسول کے ذکر سے

شاد کام، ہو رہی ہیں:

آفاق میں پھیلے گی، کب تک، نہ مہک تیری

گھر گھر لیے پھرتی ہے، پیغام، صبا، تیرا

☆☆☆

مؤرخہ

۳/رجب ۱۴۳۷ء

۱۱/اپریل ۲۰۱۶ء

بروز دوشنبہ

پیس اختر مصباحی

دارُ القلم، قادری مسجد روڈ،

ذاکرنگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

09350902937

